

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188371

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۶۶

Accession No. ۱۰۰۲۵

Author گوگلی - ح

خویشدلی

Title

گوگلی

This book should be returned on or before the date last marked below.

• • •

Checked 1969.

.. دیباچہ

گوپال کرشنا گوکھلے ۱۸۶۶ء میں بمقام کوٹھا پور پیدا ہوئے
اکثر مشاہیر کی طرح ابتدائی زندگی غربت کے گہوارہ میں بسر ہوئی
والدین بہت غریب لیکن روشن خیال برہمن تھے۔ ابتدائی
تعلیم مقامی مدرسہ میں پائی۔ ایف۔ اے کے امتحان میں کامیابی
حاصل کر کے بمبئی کے الفنسٹن کالج میں شریک ہوئے اور
اسی کالج سے ۱۸۸۴ء میں جبکہ آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس

کی تھی۔ بی۔ اے کی سندلی۔ ریاضی میں خصوصیت کے
 ساتھ امتیاز حاصل کیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات
 بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت و طباعی کے آثار ہویداتھے
 تعلیم سے مشکل فراغت حاصل ہوئی تھی کہ فکر معاش لاحق ہوئی۔
 اس وقت کسب معیشت کے مختلف وسیع میدان آپ کے
 سامنے تھے۔ یقین کلی تھا کہ آپ جس میدان میں قدم رکھتے
 کامیابی پیشواری کو دوڑتی۔ لیکن آپ کے دردمند دل کو گوارا
 نہ ہوا کہ اپنے درماذہ ملک کی خدمت بجالانے سے ایک
 لحظہ کے لئے بھی باز رہیں اور حصول مال جو دولت اور طلب
 جاہ و حکومت میں اپنا وقت اور اپنی قابلیت صرف کریں۔
 اسی زمانہ میں بعض مجبان ملک کی توجہ اور کوشش سے

اشاعت علم کے لئے پونہ میں فرگن کالج قائم ہو گیا تھا۔ کالج کی ابتدائی حالت تھی۔ اس قدر سرمایہ موجود نہ تھا کہ بڑی بڑی تنخواہیں دیکر استاداؤں کو مقرر کیا جاتا۔ مسٹر گوکھلے نے ذاتی ترقی کی اپنی تمام امنگوں اور ولولوں کو ہالاسے طاق رکھا اور اس قومی کالج میں سترہ پیمہ (معہ) مہینہ کے نہایت قلیل معاوضہ پر اپنی زندگی کے اٹھارہ سال وقف کر دیئے۔ ابتدا میں تاریخ اور سیاست میں کی تدریس آپ کے ذمہ رہی۔ بعد میں آپ فرگن کالج کے صدر (پرنسپل) ہو گئے۔ اس طرح مسٹر گوکھلے کی زندگی کے اٹھارہ برس پڑھنے میں صرف ہوئے اور اٹھارہ برس پڑھانے کی نذر ہوئے۔ ثنائی لکڑی زمانہ میں تعلیم و تدریس کے سوا بھی وہ کسی طرح سے ملکی اور

قومی خدمت کرتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں پونہ کی مشہور ”سرجنیک سبھا“ کے سہ ماہی رسالہ کی ایڈیٹری مسٹر گوکھلے کے سپرد ہوئی۔ پھر وہ دکن سبھا کے آئیریز سکرٹری قرار پائے۔ اس کے بعد ہی پونہ کے ہفتہ وار انگریزی اور مرہٹی اخبار ”سد باک“ کی ایڈیٹری میں انہیں شریک کیا گیا۔ ان ہی ایام میں بمبئی کی ”پرائونسل کانفرنس“ کی معتمدی بھی ان کے ذمہ ہو گئی تھی اور ۱۸۹۵ء میں جب نیشنل کانگریس کا اجلاس پونہ میں منعقد ہوا تو مسٹر گوکھلے ہی اس کے سکرٹری قرار پائے۔

۱۸۹۷ء میں پہلی مرتبہ انہیں انگلستان جانے کا موقع ملا۔ ان دنوں انگلستان میں لارڈ ولبی کی صدارت سے

اخراجات ہند کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا تھا۔
 اہالیان بمبئی نے اپنے صوبہ کی طرف سے مسٹر گوکھلے کا انتخاب
 کیا اور وہی اس کمیشن میں شہادت دینے کے لئے ولایت
 بھیجے گئے۔ مسٹر گوکھلے نے اپنے فرض کو اس قدر وادائی تبدبر
 اور لیاقت کے ساتھ ادا کیا کہ تمام ملک ان کی فنیلٹ و ہوشمندی
 کا قائل ہو گیا۔ انگلستان سے واپس آنے کے چند روز بعد
 بمبئی کی مجلس وضع قوانین کی رکنیت مسٹر گوکھلے کو ملی۔ ۱۹۰۲ء
 میں اٹھارہ سال کی مخلصانہ کارگزاری کے بعد پچیس (۲۵)
 روپیہ ماہانہ کے مختصر وظیفہ پر فرگن کلج کی خدمت سے مسٹر
 گوکھلے علیحدہ ہوئے۔ اسی سال مسٹر گوکھلے ویسٹ رائے
 کی مجلس شوری (کونسل) کے رکن مقرر ہوئے۔ ویسٹ رائے کی

کونسل میں آپ نے نہایت معقولیت و کمال کے ساتھ ملک
 اور اہل ملک کی وکالت کا حق ادا کیا۔ خود سہ کار نے مسٹر
 گوکھلے کی خدا او قابلیت کا اعتراف کیا۔ پرزور تقریروں کی
 داد دی اور اعلیٰ ملکی خدمات کی قدر دانی میں سی۔ آئی۔ بی۔
 کے خطاب و تمغہ سے سرفرازی بخشی۔ ۱۹۲۵ء میں مسٹر
 گوکھلے کانگریس کی جانب سے انگلستان بھیجے گئے تاکہ معاملات
 ہند کی طرف اہل انگلستان کو متوجہ کریں۔ یہ قیام اگرچہ بہت
 مختصر تھا لیکن دیرہ ماہ کی قلیل مدت میں مسٹر گوکھلے نے تقریباً
 پچاس تقریریں کیں اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے
 ملک کی وکالت کی۔ اس سال نیشنل کانگریس کا انعقاد بنارس
 میں قرار پایا تھا۔ اس کی صدارت کے لئے مسٹر گوکھلے کا انتخاب

کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں انگلستان سے واپس ہو کر مسٹر گوکھلے
 نے اس اہم فرض کو ایک نازک زمانہ میں نہایت خوبی کے ساتھ
 ادا کیا۔ اس ضروری فرض سے فارغ ہوتے ہی وہ پھر ۱۹۰۶ء میں
 انگلستان روانہ ہوئے۔ دور از وطن ہندوستانیوں کی نسر ایو
 انہین جنوبی افریقہ لے گئی۔ ہندوستانیوں کے ساتھ وہاں جو
 بدسلوکی ہوتی ہے اس کے دفعیہ کے لئے مسٹر گوکھلے نے
 جان توڑ کوششیں کیں۔ اس میں کسی قدر وہ کامیاب ہوئے
 اور سرکار نے ان خدمات کے صلہ میں انہین کے سی۔ سی۔ آئی
 اسی کا خطاب دینا چاہا لیکن انہوں نے اسے منظور نہ کیا اور
 سرگوپال کرشنا گوکھلے بننے پر مسٹر گوکھلے رہنے کو ترجیح دی۔
 سرکار انگریزی نے جب دو سال قبل ہندوستان کے سرکاری

ملازمین کی تنخواہوں اور عہدوں کی متعلقہ شکایات کی تحقیقات کے لئے ”پبلک سروس کمیشن“ مقرر کیا تو مسٹر گوکھلے بھی اسکے ایک رکن قرار پائے۔ اس رکنیت کی تنخواہ پندرہ ہزار سالانہ ہے مسٹر گوکھلے نے باوجود غربت کے محض اسلئے تنخواہ لینے منظور نہ کی کہ تنخواہ لینے کی صورت میں وہ ویسیرے کی کونسل کے رکن نہ رہ سکتے تھے۔ بلا تنخواہ کے وہ نہایت محنت دہانکا ہی کے ساتھ کمیشن میں کام کرتے رہے۔ دو سال موسم گرما میں کمیشن کے کام کے لئے ولایت گئے اور اب پھر اس سال ولایت جانے کو تیار تھے کہ ظالم موت نے مہلت نہ دی اور جبکہ ملک اور اہل ملک کو ایسے درد مند۔ خود فراموش۔ بے غرض محب وطن کی سہنت ضرورت تھی ۱۹ فروری ۱۹۱۵ء عیسوی کو

انچاس برس کی عمر میں مسٹر گوکھلے نے وفات پائی مسٹر گوکھلے
 کی رحلت پر ہر طبقہ ہر درجہ اور ہر قوم کے لوگوں میں جس غیر معمولی
 طریقہ سے رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کی مثال ملنی
 دشوار ہے۔ خود شہنشاہ معظم نے اس جانکاہ حادثہ پر اظہار تعزیت
 فرمایا۔ ہندوستان کے تقریباً تمام حصوں میں اظہار رنج و ملال
 کی غرض سے خود سرکاری اعلیٰ حکام نے ماتمی جلسے کئے۔
 اہل حیدرآباد کو مسٹر گوکھلے کے اس تعزیتی جلسہ کا سامان اب تک
 یاد ہے جو بمقام بلخ عامہ ”ٹاؤن ہال“ میں ۹ مارچ ۱۹۱۵ء
 جمعہ کی صبح کو منعقد ہوا تھا۔ صاحب رزیڈنٹ اس جلسہ کے
 صدر نشین تھے اس موقع پر جو تقریریں ہوئیں ان میں خاصکر
 معین المہام فنانس مسٹر گلانی کی متین و سنجیدہ تقریر

سینئر سر وجنی نائڈو کی دلکش دروح پرور فصاحت بیانی اور
 مسٹر حیدری کی وہ پر جوش پاکیزہ تقریر جس کا ایک ایک
 لفظ دل سے نکلتا اور دل میں بیٹھتا تھا اب تک کا نون میں
 گونج رہی ہے۔

یہ ہیں مختصر واقعات مسٹر گو کھلے کی اُس پاکیزہ اور ایشار سے
 بھری ہوئی زندگی کے جو اہل ملک کے لئے اولوالعزمی اور
 عالی حوصلگی کا نہایت مفید و کار آمد سبق اور قابل تقلید نمونہ
 پیش کرتی ہے۔ اسی مقدس زندگی کے بعض دلچسپ اندرونی
 حالات کی جن کی جھلک دیکھنی بہت کم کسی کو نصیب ہو سکتی تھی
 سینئر سر وجنی نائڈو کے جادو اثر قلم نے نہایت دلکش تصویر کشی
 ہے۔ سینئر نائڈو کی قلم فرسائی کسی تعریف یا تعارف کی محتاج

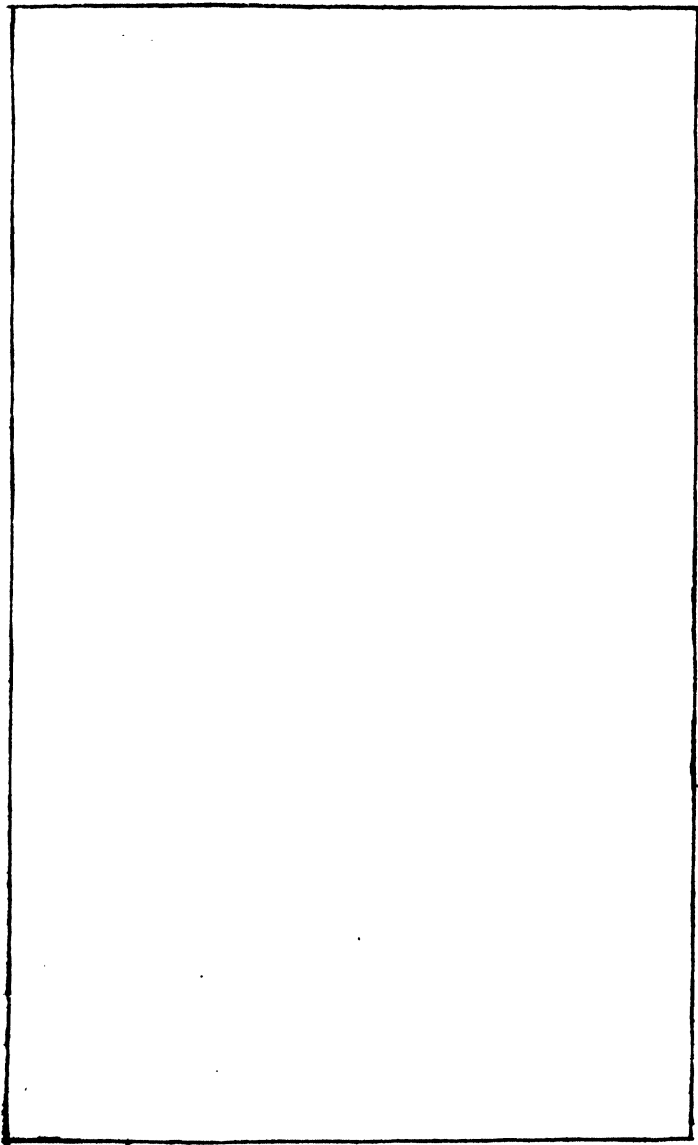
بہنیں۔ فخر روزگار مسرور جینی نانڈو کی اس جادو بیانی کو اردو
 کا لباس پہنانے کی مین نے آئندہ صفحات میں کوشش
 کی ہے۔ اصل کتاب کے زور بیان اور فصاحت کو بعینہ تمام
 رکھنا میری قدرت سے باہر تھا۔ مجھے انوس ہے کہ میں
 عدیم الفرستی اور سوہنراجی کے سبب اس ترجمہ پر جو نہایت
 عجلت میں کیا گیا ہے نگاہ ثانی تک نہ کر سکا۔ مجھے توقع ہے
 کہ ارباب نظران مجبور یون کا لحاظ فرما کر ترجمہ کی خامیوں کو
 براہ کرم نظر انداز فرمائیں گے فقط

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

۲۱ ستمبر ۱۹۱۵ء





گوکھلے

.. من حیث الانسان

(۱)

”کاش میں کہیں قریب ہوتا کہ خود آ کر مل سکتا..... مجھے
قوی توقع ہے کہ آپ کا رنج و الم نغمون کی شکل اختیار کرے گا جو
بہت دیر پاہون گے۔“ یہ وہ نصیحتیں دیا کیزہ اعطاء ہیں جو ۱۲ فروری
کو بہ ظاہر بلا کسی سابقہ علم کے کہ خود ان کے راقم کا انجام بھی قریب
آپھونچا ہے لکھے گئے تھے اور جو مجھے کلکتہ میں میرے دل
کے مشرادھ کے الم ناک موقع پر ہمدست ہوے۔ اس کے

چند ہی روز بعد گوپال کرشنا گوکھلے نے ملک کے انتہائی
ریچ و افسوس کے درمیان جو اس ناقابل تلافی حادثہ اور نقصان
کے موقع پر تو ایک مرتبہ ضرور متحد ہو گیا تھا رحلت کی۔

ہندوستان کی حمایت و ہمدردی میں مسٹر گوکھلے نے
دلاوری و جان بازی کے ساتھ انواع و اقسام سے جو جدوجہد
کی اس کے متعلق نہایت قابلانہ فصیح اور پاکیزہ مضامین بہ کثرت
شائع ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہر شہر میں اور ہندوستان
وچھپی رکھنے والے بعید ترین مرکزوں میں بھی جمیع اقوام کے
لوگ اور نیز وہ فرقے جو سیاسی خیالات و توقعات میں باہم
شدید ترین اختلافات رکھتے ہیں اس وقت ایک ہو گئے
ہیں تاکہ اپنی تعظیم و ادب اور اپنے ریچ و ملال کے آخری نذرانہ

کو اس شخص کے لئے پیش کرین جسکی ساری زندگی ملک کی بوجھ و خدمت
 خدایات کا ایک بے نظیر و عدیم المثال سلسلہ تھی اور جس نے
 ملک کی فلاح و بہبودی کے لئے نہایت جوش و استعداد سے
 محنت کی اور جس نے ملک ہی کی پیاری خدمت میں اتنا بے وقت
 اور اس قدر حسرت ناک طور پر جان دی۔ مسٹر گوکھلے کی شاندار
 زندگی کے فسانہ کو اور زیادہ روشن کرنے یا اس عالمگیر حزن و
 ملال کی قدر و قیمت اور برج و توصیف میں اضافہ کرنے کے
 لئے میرے کسی ناچیز لفظ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن میں
 سمجھتی ہوں کہ کسی بڑے شخص کے کارنامے اور ذاتی خصائل
 کے تذکرے کبھی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتے جب تک
 کہ ان میں بعض ذاتی اور خانگی واقعات کی جھلک شامل نہ ہو۔

یہ واقعات بہ جاے خود خواہ کہتے ہی اتفاقی معمولی اور غیر اہم کیوں نہ ہوں لیکن برین ہم ان ہی ذاتی افعال سے اس شخص کے دل کی اندرونی حالت اور اس کے خصائص و صفات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس مختصر و مجمل مضمون میں اس بات کی مین کوشش کروں گی کہ اپنے بعض ذاتی واقعات کو جو ان کے ساتھ مدبر و مصلح تمدن گو کھلے کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض ایک انسان گو کھلے کی حیثیت سے پیش آئے قلمبند کروں۔ ان کی زندگی کے آخری ایام میں انہیں اسی حیثیت سے جاننے کی مجھے خواہش حاصل تھی۔

ایک دلکش فاقہ کی ابتدا

میرا ذاتی تعارف مسٹر گو کھلے کے ساتھ جیسا کہ وہ ختم ہوا

ایک تحریری پیام کے ذریعہ شروع ہوا۔ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا سوشل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں تعلیم نسوان کی تحریک پیش کرنے کی خدمت میرے سپرد ہوئی تھی۔ میری تقریر میں معلوم نہیں کون سی بات ایسی تھی جس نے مسٹر گوکھلے کو اس درجہ متاثر کیا کہ انہوں نے ذیل کے یہ عاجلانہ مخلصانہ اور پر جوش فقرے میرے پاس ارسال فرمائے۔ میں جانتی ہوں کہ میں اس فیاضانہ قدردانی و دادِ دہی کی مستحق نہ تھی لیکن یہی فقرے ہمارے تمام آئندہ روابط کی بنیاد تھے لہذا میں نے اس جگہ ان کا اعادہ کرنے کی جسارت کی ہے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ ”کیا میں اس بات کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں اپنی نہایت مودبانہ اور پر جوش مبارک باورپوش

کروں۔ آپ کی تقریر اعلیٰ ترین قسم کی ایک دماغی ضیافت سے
 بھی بہت بڑھ کر تھی۔ ----- ہم سب کو اس وقت
 ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا ہم ایک دوسرے اعلیٰ عالم میں
 پہنچا دئے گئے ہیں۔ "یہ شناسائی جو اس طرح دلچسپ ہمدردانہ
 پیرایہ میں شروع ہوئی تھی بڑھی اور آخر کار ایک ایسی گھری اور
 خوشگوار رفاقت کی شکل میں بار آور ہوئی جس کو میں اپنی زندگی
 کے انتہائی اعزازوں میں شمار کرتی ہوں۔ ہماری دوستی
 کو بعض محقر اور تلخ کشیدگی کے تخلیف وہ لمحوں سے خالی نہ
 تھی لیکن ہمیشہ وہ روحانی تازگی و تفریح کے لطف و مسرت
 اور دماغی محبت اور اختلافات کے خوش آئند و فرحت بخش مقابلہ
 کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ مادر وطن کے ساتھ ہماری مشترکہ محبت

سب سے بڑے ہمارے باہمی دوستی کے رشتہ کو نہایت مضبوطی کے
 ساتھ مربوط کئے ہوئے تھی۔ ایک اجنبی سر زمین پر علالت
 کی تکلیف و پریشانی کے طول طویل ہفتوں میں محض اس
 تسکین۔ تعلق۔ تقویت اور رفاقت پر جو باوجود خود میری علالت
 و خرابی صحت کے میں کر سکتی تھی۔ انتہا درجہ کے متاثر کن
 دلگداز طریقہ سے بالکل بچوں کی طرح مسٹر گو کھلے کا تکیہ اور
 سہارا کرنا بھی رشتہ اتحاد کی ایک مزید بندش کا عمل رکھتا تھا۔
 خوش قسمتی سے ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان متعدد
 مرتبہ مختلف موقعوں پر بمبئی۔ مدراس۔ پونہ اور دہلی میں مسٹر گو کھلی
 سے میری ملاقات ہوئی۔ ہر ملاقات کے بعد ہمیشہ ہندوستان
 کی خدمت کے لئے زندگی وقف کرنے کے متعلق نپند و

کے چند دل سوز پر جوش اور ترغیب و تحریریں کے الفاظ کی
 یاد کے ساتھ میں واپس جاتی تھی۔ اس تاریخی زمانہ کے پیشما
 مشاغل اور کثیر التعداد مصروفیتوں کے ہجوم میں بھی جب کبھی
 میری کوئی نظم یا تقریر یا میرا کوئی کام مسٹر گوگلے کی خیر پیشنودی
 کا باعث ہوتا یا میری زوال پذیر تندرستی اور خرابی صحت کی متواتر
 افواہیں انھیں مشوش و خوف زدہ بنا دیتیں تو وہ ضرور وقت
 بہ وقت اپنی پسندیدگی و مسرت اور دلہی و دلا سے کا نہایت
 گرم جوشی کے ساتھ تحریری اظہار کرنے کے لئے کشتی کسی
 طرح دقت نکالتے تھے۔

متضا و خصائص

لیکن ۱۹۱۲ء کے آغاز تک جبکہ میں نے اپنے والد کے

پاس گلکتہ میں چند ہفتہ بسر کئے تھے ہم دونوں میں باہم چندان
 بے تکلفی و یگانگت قائم نہ ہوئی تھی وہ کہتے تھے کہ "اب تک
 تو میں نے صرف آپ کے پروں ہی کو پکڑا ہے لیکن اب میں
 آپ کو اس وقت تک قفس میں بند کر کے رکھوں گا کہ پوری
 طرح آپ کے اصلی جوہر سے واقف ہو جاؤں" ان ہی دنوں
 کے طول طویل اور بہت خوشگوار مکالموں اور صحبتوں کی بدولت
 مسٹر گوکھلے کی حقیقی اور گونا گون عظمت و بزرگی اور اصلی برتری
 میری سمجھ میں آنے لگی اور مجھے اچنبہ سا ہونے لگا کہ کس قدر
 سمحت اور موثر تدابیر سے وہ اپنی دہری شخصیت کے متضاد
 اور پیچیدہ خصائص کو اس طرح اعلیٰ درجہ کے بے نظیر وطن
 کے ساتھ مطابق کرنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ اس گرانما

اور برتر از قیاس طبیعت کے راز کا مطالعہ کرنا میرے لئے
 علم النفس کا ایک قیمتی سبق تھا۔ مسٹر گو کھلے کی ظاہری حیثیت
 جس سے لوگ ان کو جانتے اور ان کی قدر و منزلت کرتے تھے
 وہ ان کی صحیح و باقاعدہ - منور و تابان - تیز اور زورور سن مہم و فراست
 پر - سیاسی امور کی تشریح و تجزی کرنے کی بے نظیر قابلیتوں پر
 واقعات اور شمار و اعداد کو استعمال کرنے میں بے عیب اور
 خالی از نقص کمال و قدرت پر اختلاف و تعرض کے وقت
 نہایت خوش اخلاقی و ملنساری کی لیکن شدید صاف بیانی و صاف
 ولی پر مصالحت کے وقت عالی جوصلگی - خودداری اور ہمت
 و جرأت پر - غیر محدود تدبیر و سیاست - ہمت و استعداد اور
 صداقت و راست گفتاری پر اور روزانہ زندگی کی پاکیزہ عظیم ارشاد

سادگی اور قربانیوں وغیرہ پر مشتمل تھی۔ لیکن ان کی کثیر التعداد
 ایثار نفسیوں اور نفس کشیوں کے نقاب کے نیچے ان کی
 وہ اندرونی اور خانگی شخصیت پہنان تھی جو انہوں نے مجھ پر
 ظاہر کر دی تھی۔ یہ شخصیت اور حیثیت انسانی اور جنسی محبت و
 و الفت کی حد سے زیادہ چاہ اور خواہش اور ہنگامہ عالم میں
 ایک پیدائشی خیال پرست کے بیم ورجا کی تکلیف و مسرت
 پر مشتمل تھی جو دنیا سے ناپائدار کے دہوکوں اور مایوسیوں میں
 ہمیشہ کسی ناقابل تغیر حقیقت کی تلاش و جستجو میں رہتی تھی۔ میں نے
 یہ دیکھا کہ مسٹر گوکھلے کی ذات میں ایک علی جفاکش اور مستعد
 آدمی کی صفات اور مجذوبانہ و عارفانہ خواب و خیال والے
 شخص کی خوبیاں ان کے برہمن آبا و اجداد کی سالہا سال

کی باقاعدگی و ریاضت کی بدولت یکسانیت و ہم آہنگی کے ساتھ
 جمع تھیں۔ اسی ریاضت و باقاعدگی نے صدیوں قبل بھگوت گیتا
 کے اصل مطالب کی اشاعت کی تھی اور حقیقی یوگ کو عقل متحرک
 ثابت کیا تھا۔ لیکن وہ بھی اپنے خاندانی اور نسبی امتیاز کے اثر
 سے خالی نہ تھے۔ مساوات کے متعلق تمام انسانوں کے حقوق
 کو تسلیم کرنے میں نہایت فیاض۔ وسیع النظر اور انصاف پسند
 ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے اندر برہمن الاصل ہونے
 کے کسی قدر فخر کو بہ کامیابی مخفی رکھا تھا جو اگرچہ آشکار تو نہ تھا
 لیکن برہمنوں کی قدیم قوت و اقتدار کے خلاف ایک حرف سے
 بھی اس جذبہ کو بلا ارادہ تحریک ہو جاتی تھی۔ اس کمزوری کا ایک
 واقعہ اگر مین اسے کمزوری کہہ سکتی ہوں تو میرے ساتھ بھی گزرا

۱۹۱۱ء کے اختتام پر آل انڈیا سوشل کانفرنس میں جو بہ مقام کلکتہ منعقد ہوئی تھی۔ ”ینچ ڈاٹون“ کے متعلق تقریر کرتے ہوئے میں نے بیان کیا تھا کہ مساوی انسانی حقوق اور مواقع حیات سے ان کے محروم ہو جانے کا زیادہ تر باعث زمانہ سلف کے متکبر نخوت پسند اور خود بین برہمنوں کی ظلم و زیادتی ہے۔ میرے والد بھی اس جلسہ میں موجود تھے۔ ان الفاظ کا ان کی ظرافت اور مساوات پسندی پر اثر ہوا اور انہوں نے خوب دل لگی کی اور مجھ پر فقرے کسے۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ مسٹر گوکھلے نے خود بین نخوت پسند اور متکبر کے الفاظ کو بہ منہ نہ اپنی ذاتی توہین و حقیر کے تصور کیا ہے۔ انہوں نے ایک الزامی لہجہ

میں مجھ سے کہا ”اس میں شک نہیں کہ آپ کی تقریر نہایت نفیس و پاکیزہ اور بہت ہی عمدہ تھی لیکن آپ بعض اوقات تلخ اور گستاخانہ فقرے استعمال کر جاتی ہیں۔“ اس کے بعد ہی ایک ایسے مہجٹ پیر گفتگو ہونے لگی جس میں ہم دونوں متحد الہ اسے سمجھے۔ دوران گفتگو میں وہ بڑے تعجب کے ساتھ پکار اٹھے۔ ”آپ باوجود ان تمام تبدیلیوں کے جو آپ میں ہو گئی ہیں۔ اصل میں بالکل منہد ہیں۔ ایک لہر و ترنگ کے ساتھ آپ کی ابتدا ہوتی ہے اور بقا دوام میں آپ کا اختتام ہوتا ہے۔“ میں نے کسی قدر عاجز ہو کر کہا ”لیکن میں نے اپنے نسب سے کب انکار کیا ہے؟“

ان ہی ہفتوں کی ایک دوسری گفتگو بھی آنے والے واقعات کی روشنی میں ایک خاص اہمیت اور نمایاں حیثیت رکھتی ہے

ایک روز صبح کو جبکہ بعض قومی معاملات کے متعلق وہ کسی قدر
 فسرودہ اور شکستہ خاطر تھے مجھ سے دریافت کیا کہ "ہندوستان
 کے متعلق آپ کے توقعات کیا ہیں؟" میں نے جواب دیا "امید
 انھوں نے پوچھا، بالکل قریبی زمانہ کے بارے میں آپ کا
 خواب کیا ہے؟" میں نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا کہ پانچ
 سال سے بھی کم مدت میں ہندو اور مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد
 انہوں نے ایک ٹاسٹ امینز لیجسلیٹو میں کہا "آپ اگرچہ شاعر ہیں
 مگر آپ کے توقعات حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ بات
 نہ آپ کی زندگی میں حاصل ہو سکتی ہے نہ میری زندگی میں لیکن
 آپ یہی عقیدہ اور امید رکھئے اور اگر آپ سے ہو سکے کام کئے
 جائیے۔"

دوسرے سال پانچ مین بیٹی کی ایک بڑی دعوت مین جو
 سر فریور شاہ مہنتہ نے ”رائل کمیشن“ کے اراکین کے اعزاز مین
 کی تھی صرف چند منٹ کے لئے مسٹر گو کھلے سے میری ملاقات
 ہوئی۔ اس کے کچھ ہی دن پہلے میری نظموں کی ایک نئی کتاب
 شایع ہوئی تھی اور خوش قسمتی سے اسی زمانہ مین لوگوں کی توجہ
 کسی قدر اس کتاب کی طرف منقطع ہو رہی تھی۔ اور اس تحسین
 و آفرین ہو رہی تھی۔ مسٹر گو کھلے نے اس وقت مجھ سے جو مختصر
 گفتگو کی وہ اس قسم کے امور کے ساتھ ان کی بے اعتقادی کی
 خصوصیت سے معمور تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ ”کیا اب بھی مشعلہ
 اسی آب و تاب سے روشن ہے؟“

مین نے جواب دیا کہ ”بلکہ پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ

روشن ہے۔ لیکن انہوں نے مشبہ اور کسی قدر خشک انداز سے اپنا سر بلایا۔ پھر وہ آپ ہی آپ کہنے لگے کہ ”مجھے حیرت اور اندیشہ ہے کہ وہ کب تک اس قدر بے اندازہ توصیف و ستائش اور کامیاب یولف کی کثرت کے طوفان کا مقابلہ کر سکے گا۔“

ہندوستان کی خدمت کا فرض

ایک ہفتہ کے بعد مجھے مسلم لیگ کے اس اجلاس میں شریک ہونے اور تقریر کرنے کی مسرت و عزت حاصل ہوئی جسرا اجلاس کی اب ایک تاریخی حیثیت ہو گئی ہے اور جو ۲۲ مارچ کو لکھنؤ میں اسلئے منعقد ہوا تھا کہ جدید اصول عمل اختیار کرے جس سے ملکی اور وطنی فلاح و ترقی کی تمام باتوں میں ہندو بھائیوں کے ساتھ وفادارانہ اشتراک کی صورت پیدا ہوتی تھی۔ جس جوش و خلوص سے

پرانی اور نئی روشنی کے مسلمان مدبرین نے اس نظام العمل کو
 لبیک کہا اس سے ہندوستان کے جدید واقعات کی تاریخ
 میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ لکھنؤ سے بلا کسی جگہ مقام
 کرنے کے پھیوین کو میں سید ہی پونہ پہنچی۔ چھتیسویں کی صبح
 کو آریل مسٹر پراچھے کے ہمراہ فرگوسن کلج سے درمیانی میدان
 کو عبور کر کے "سروٹس آف انڈیا سوسائٹی" (انجمن خدام ہند) گئی۔
 یہاں پہنچ کر میں نے نیشنل انڈین کانگریس کے مشہور زبانہ پیشوا
 کو ایک قدیم مرض کے دورہ سے خستہ و ناتوان لیکن اخبارات
 و رسائل میں جو مسلم لیگ اور اس کے نئے منصوبوں اور مقاصد
 کے متعلق رائے زنی و تنقید سے بھرے ہوئے تھے مستغرق
 پایا۔ مجھے دیکھتے ہی مسٹر گوگلے نے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا۔

اُدھ! کیا آپ مجھ سے یہ کہنے کے لئے آئی ہیں کہ آپ کا
 خواب سچا تھا۔ پھر ایک انتہا درجہ کے اضطراب و شوق کے
 ساتھ لیگ کے اہلی اور حقیقی منشار و مدعا کے بارے میں
 انہوں نے سوالات کرنے شروع کئے۔ جب میں نے انہیں
 یقین دلایا کہ کم از کم نئی پود کے لوگ تو محض سیاسی ضرورت کے
 خیال سے نہیں بلکہ وطنی ذمہ داریوں کے خالص یقین اور روز
 افزوں واقفیت سے اس بات پر آمادہ ہوئے ہیں کہ ہندوں
 کی طرف نہایت کشادہ ولی اور فیاضی کے ساتھ خوشگوار گفت
 کا ماتھے بڑھائیں تو ان کا ناتوان اور روکشیدہ چہرہ مارے خوشی
 کے دکنے لگا۔ میں نے امید ظاہر کی کہ آئندہ کانگریس اس کا
 جواب اگر اس سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر ولی جوش اور خلوص

سے ضرور دیگی۔ مسٹر گوگلے نے کہا۔ ”جہاں تک میرے امکان
 میں ہے ایسا ہی ہوگا۔“ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد میں نے
 دیکھا کہ اس مسرت ناک خبر کا جو میں اتنی دور سے لائی تھی ان پر
 اس قدر اثر ہوا کہ جوش کے سبب اضمحلال وضعف طاری ہو گیا
 مسٹر گوگلے نے نہایت اصرار کا تقاضا مجھ سے خواہش کی کہ میں
 اسی شام کو پھران سے ملوں اور اس ملاقات کو مکمل کروں۔ جب
 میں شام کو سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی گئی تو میں نے مسٹر گوگلے
 کی حالت میں ایک حیرت ناک تبدیلی دیکھی میں نے انہیں بالکل
 چست و چالاک اور ہشاش بشاش پایا۔ وہ اگرچہ کسی قدر زرد تھے
 لیکن صبح کی نقاہت و کمزوری اور اداسی و افسردگی کا مطلق کوئی
 اثر باقی نہ رہا تھا۔ جب وہ مکان کے بالائی حصہ پر چڑھنے کے لئے

آگے بڑھنے لگے تو میں چلا اٹھی کہ ”یقیناً آپ کا منشاء تو ان
 تمام سپر ہیروں پر چڑھنے کا نہیں ہو سکتا؟ آپ بہت بیمار ہیں“
 مسٹر گوکھلے ہنس پڑے اور کہا ”آپ نے مجھ میں نئی امید
 ڈال دی ہے۔ میں اس قدر قوی اور توانا ہو گیا ہوں کہ پھر زندگی
 کا مقابلہ اور کام کر سکتا ہوں۔“ اسی اشارہ میں مسٹر گوکھلے کی ہمشیرہ
 اور دونوں موہنی لڑکیاں ہم سے آئیں۔ آدھے گھنٹہ تک
 سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کی وسیع چھت پر جہان سے پہاڑیوں
 اور وادیوں کا منظر پیش نظر تھا۔ مختلف دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔
 اس تہا اور خود فراموش بے غرض شخص کی ذاتی اور خانگی حالت
 کی یہ پہلی اور ایک ہی جھلک تھی جو مجھے دیکھنی نصیب ہوئی
 ان تینوں کے رحمت ہونے کے بعد بھی ہم خاموشی کے

ساتھ شام کے دھند لکے مین دین بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ
 مسٹر گوگلے کی دلکش آواز نے صلاح و نصیحت کے زرین آواز
 کے ساتھ سکوت کا دامن چاک کیا۔ یہ الفاظ اس قدر اعلیٰ اتنے
 سنجیدہ اور اس درجہ دل نشین تھے کہ ان کا دل کو کپکپا دینے والا اثر مجھ پر منور
 قائم و برقرار ہے۔ انہوں نے ہندوستان کی خدمت بجالانے
 کے فریضہ اور اسکی بے نظیر مسرت کے متعلق گفتگو کی اور کہا ”ان
 میرے ساتھ کمرے ہو جائے اور ان تارون اور ان پہاڑیوں
 کو گواہ کر کے ان کے سامنے اپنی زندگی اپنی قابلیت کے جوہر
 اپنے نعموں اپنی تقریروں۔ اپنے خیالات اور اپنے خوابوں
 کو مادر وطن کے لئے وقف کیجئے۔ اسے شاعر! اپنے خیال
 کی بلند پہاڑیوں پر سے آئندہ کے خواب دیکھ اور پستی کی داویوں

میں محنت و مشقت کرنے والوں کو حوصلہ افزا اور امید بخش مہامات پہنچا۔“ جب میں رخصت ہونے لگی تو پھر مسٹر گو کھلے نے مسٹر ^{پتھرس} جبر کے اس ناچیز قاصد سے کہا ”آپ نے مجھے نئی امید نیا اعتقاد اور نئی ہمت عطا کی ہے۔ آج رات میں آرام و سکون کے ساتھ سوؤں گا اور میرے دل کو قرار و چین ہے گا۔“

(۲)

انگلستان میں

اس واقعہ کے دو ماہ بعد اوائل جون میں پندرہ سال کی مفارقت کے بعد میں پھر ایک مرتبہ لندن میں تھی۔ ان بہت سے احباب میں جنہوں نے میرے پہنچنے پر میرا خیر مقدم کیا۔ مسٹر گو کھلے کی مانوس شکل بھی بالکل غیر مانوس یورپی لباس میں معہ

انگریزی ٹوپی کے موجود تھی۔ ایک لحظہ تک میں انہیں حیرت کے ساتھ تکتی رہی اور میں نے پوچھا کہ ”آپ کی وہ عذار پگڑھی کہاں ہے؟“
 لیکن میں بہت جلد اپنے دیرینہ دوست کی اس جدید وضع کی عکاسی ہو گئی۔ میرا یہ دوست اب ایک شوقین گولے کھلے تھا جو دعوتوں میں شریک ہوتا تھا۔ تماشوں میں جاتا تھا ماش کھیلتا تھا اور جوانی کی ”نیشنل لبرل کلب“ کی چھت پر ضیافتیں کرتا تھا۔ یہ امور کس قدر مختلف تھے ان مشاغل سے جو ”سروٹس آف انڈیا سوسائٹی“ (انجمن خدام ہند) کی چھت پر سٹر گولے کو مصروف و مستغرق رکھتے تھے۔

ڈانوا ڈول صحت کے باوجود سٹر گولے گرمی کے پورے موسم میں رائل کمیشن کے کاموں اور نیز جنوبی افریقہ کے ہندی

معاملات میں جو اس وقت ایک نازک حالت میں تھے بے انتہا
 مصروف ہے۔ لیکن باوجود اس مصروفیت کے وہ اکثر بیشتر
 مجھ سے ملنے کے لئے میرے قیام گاہ پر سر کرشنا گپتا کے
 مکان کو آتے تھے۔ مسٹر گوگلے کو ”چیریز“ کا بہت شوق تھا۔
 جب کبھی انکے آنے کی توقع ہوتی میں ہمیشہ اس میوہ کی ایک
 بڑی مقدار فراہم کر رکھتی۔ میں انہیں اکثر یہ کہہ کر چھیڑا کرتی تھی
 کہ ”ہر شخص کے لئے ایک خاص نعام ہوا کرتا ہے اور آپ کا
 نعام ”چیریز“ ہے۔“ اور جولائی میں ایک روز جبکہ پکے
 سرخ ”چیریز“ کی طلب رکابی سامنے رکھی ہوئی تھی اور
 باتیں ہو رہی تھیں میں نے ایک نازک اور اہم ذمہ داری کا
 ذکر چھیڑا جو میں نے ”لندن انڈین ایسوسی ایشن“ کے لئے

اپنے اوپر عائد کی تھی۔ یہ ایسوسی ایشن طلباء کی ایک جدید انجمن تھی جسکو صرف چند ہفتوں قبل مسٹر جناح نے ان ہندوستانی طالب علموں کی پرشوق امداد و اعانت سے جو لندن میں تعلیم پا رہے ہیں قائم کی تھی۔ ان لوگوں کے جدوجہد کا اصلی مقصد یہ تھا کہ منتشر طالب علمانہ زندگی کے لئے لندن میں ایک مستقل مرکز مہیا ہو جائے اور باہمی اشتراک و رفاقت کے لیے مستند و مستحکم روایات قائم ہوں کہ یہ نوعمر انجمن آگے چل کر اس متحد ہندوستان کا ایک خاکہ اور ایک مختصر لیکن مکمل نمونہ بن جائے جس کا اس وقت یہ لوگ خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں کی یہ عین تمنا اور دلی آرزو تھی کہ اس جدید کام کا آغاز ہندوستان کے اس بے نظیر و عدیم المثال دوست اور خدمت گزار کی

ہمدردی و دعا کے ایک آدھ کلمہ سے ہو۔ پہلے تو محنت و تکلّف کی تمام باتوں سے اطباء کی قطعی مخالفت کی بنا پر ایک شدید انکار نے مجھے کسی قدر مایوس کر دیا۔ لیکن کیونکہ میں نے بغیر سوچنے سمجھنے کے اس بات کا ذمہ لے لیا تھا کہ مسٹر گوکھلے ضرور تقریر کریں گے لہذا میں نے اپنے اصرار کو اور بڑا دیا۔ وہ کہنے لگے کہ ”آپ نہ صرف خود ہی صحت کے تمام قوانین کی خلاف ورزی کرتی ہیں بلکہ مجھے بھی نافرمانی و سرکشی پر اکساتی ہیں“ پھر انہوں نے پوچھا اور ان کی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے چمک اٹھیں ”علاوہ برین آپ کو میری طرف سے زبان دینے کا کیا حق تھا؟“ میں نے کہا ”نئی پود کے لئے آپ سے کسی حال میں بھی اُمید کے پیام کے مطالبہ کا حق۔“ چند ہی روز بعد ۲۴ اگست

کو مسٹر گوکھلے نے کاکسٹن ہال میں طلباء کے ایک بڑے اور
 پر جوش مجمع کے سامنے ایک نہایت پاکیزہ تقریر کی۔ اس تقریر
 کے ذریعہ انہوں نے حب الوطنی۔ نفس کشی اور ایثار نفسی کے
 وہ پاکیزہ اور اعلیٰ سبق ذہن نشین کر اسے جو صرف وہی اپنے
 تمام معاصرین میں اس خوبی اس وثوق اور اس نزاکت کے
 ساتھ سکھا سکتے تھے۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ ہندوستان روانہ ہوئے
 تاکہ اپنے جنوبی افریقہ کے مبتلائے محن ہم وطنوں کی حمایت
 میں اپنی دلیرانہ مشہور معرکہ آرائی کریں۔ اگرچہ اس وقت ان کی
 صحت انتہا درجہ خراب ہو چکی تھی اور اس کی درستگی کا کوئی امکان
 باقی نہ رہا تھا لیکن برین ہم ایک فاسحانہ شہادت کے جوش کے

ساتھ انہوں نے اواخر نومبر میں لستر علاقہ پر سے مجھے لکھا کہ ایک دور و دراز کی سر زمین پر حق اور انصاف کے داعی اور ازلی قوانین کے واسطے لڑنے والے ہندوستانی مشیر دل بہادرون کی بلالکار کا جواب ایک درحقیقت متحد ہندوستان نے کس عجلت اور کس عمدگی کے ساتھ دیا۔

موت کا پیغام

۱۹۱۴ء کے موسم بہار میں ان کی حالت اس قدر نازک ہو گئی کہ ان کے اہباء اور اطباء کو سخت تشویش ہونے لگی۔ ابتدائیں تو وہ بالکل فریض ہو گئے تھے۔ لیکن پہلے ہی دن جب انہیں اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت ملی وہ اپنی اس کمال عنایت و مہربانی کے ساتھ جو ہمیشہ مجھ پر مبذول

تھی مجھ سے ملنے آئے کیونکہ اس وقت میں اتنی بیمار تھی کہ خود جا کر ان سے مل نہ سکتی تھی۔ انہوں نے کسی قدر افسوس کے ساتھ کہا ”آپ کے سے گانے والے پرندہ کا بازو کیوں شکستہ ہو۔“ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہنے لگے کہ ان کے طبیبیوں نے اسی وقت انہیں پیام مرگ پہنچایا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ وہ طبیبیوں کا خیال ہے کہ انتہا درجہ کی احتیاط پر شاید میں اور تین سال زندہ رہ سکوں۔“ لیکن ان کے پرسکون عادات و اطوار میں کسی خود غرضانہ اندیشہ اور خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہندوستان کے متعلق اپنی خدمت کے غیر مکمل ہونے کا صرف انہیں سچا تاسف ضرور تھا۔

میں بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ ان کے ساتھ موٹر میں

ہوا خوری کو نکلا کرتی تھی۔ مسٹر گوکھلے کی تفریح کا یہی ایک ذریعہ
اب رہ گیا تھا۔ جن دنوں موسم صاف ہوتا ہم لوگ ”کننگٹن باغ“
کے سرسبز درختوں کے نیچے آفتاب کی دہیمی روشنی میں بیٹھا کرتے
یہاں بیٹھ کر حسبِ عادت ان منتخب اور دلکش الفاظ میں مسٹر گوکھلے
مجھ سے گفتگو کرتے جن سے ان کی باتیں ہمیشہ نہایت دلربا
و دل فریب اور جاودا اثر ہوتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ ”آپ مجھ کو اپنے
دماغ کا ایک گوشہ عطا کر دیجئے جسکو میں بالکل اپنا کہہ سکوں۔“
اس مخصوص گوشہ میں جو واقعی ان کا تھا میں نے ان کی یادگار باتیں
بہ کثرت جمع کر رکھی ہیں۔ مجھے ان کی تہذیب و عالی خیالی کی وسعت
و کثرت پر ہی صرف حیرت نہیں ہوتی تھی بلکہ اس نہایت پسندیدہ
و پاکیزہ نزاکت بیانی پر میں ششدر ہو جاتی تھی جس قسم کی سخنوری

کو چارلس لمیٹ نے ادب کے تکلفات اور نراکتوں کا خطاب دیا ہے۔
زندگی موت اور قسمت کے مختلف پہلوؤں کے متعلق ان میں ایک
عجیب و غریب شوق تحقیق تھا۔ انسانی جذبات و احساسات اور
تجربات کے اصلی سرچشموں پر حکومت و اثر کرنے والے مخفی قوتوں
کا ایک فوری ادراک بھی ان میں موجود تھا۔ ایک دن کسی قدر تردد
آمیٹر شوق سے انہوں نے کہا "کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی
اس تمام چمک دمک اور شباشت کی تہ میں ایک دائمی اداسی
و دلگیری محسوس کرتا ہوں۔ کیا یہ اسلئے توہنیں ہے کہ آپ کا انجام
اس قدر قریب آپہنچا ہے کہ ابھی سے اس کا سایہ آپ کو گھیر سے
ہوئے ہے۔"

میں نے کہا: "ہنیں! میں اپنی حیات سے اس قدر قریب ہو گئی

ہوں کہ اس کی حرارت اور تیزی نے مجھے جلا ڈالا ہے۔“

ایک مشتاق وطن طائر کی طرح ان کا دل ہمیشہ اس غیر متغیر جذبہ کی طرف لپکتا تھا جس میں اس ہندوستان کی محبت مضمون تھی جو ایک ہی وقت میں سڑگو کھلے کا آقا بھی تھا اور مادو مہربان بھی۔ ویسی بھی تھا اور ان کا بچہ بھی۔ وہ اکثر اپنے ابتدائی زمانہ کے جدوجہد اور مایوسیوں اور آخری زمانہ کی کامیابیوں اور ناکامیوں۔ انعامات اور دست کشیوں کا تذکرہ کیا کرتے۔ ہندوستان کے متعلق وہ اپنے خواب اور ہندوستان کے منزل مقصود کو بیان کرتے۔ شاہی مقبوضات میں ہندوستان کی حقیقی منزلت اور سلطنت کی ذمہ داریوں میں اس کا درجہ اور اس کے فرائض وغیرہ کی گفتگو کیا کرتے تھے۔

رائل کمیشن - ویسراے کی کونسل اور نیشنل کانگریس میں اپنے
 اور اپنے معاصرین کے کاموں کے متعلق بھی وہ باتیں کیا کرتے
 تھے۔ اگرچہ آخر تک مسٹر گوکھلے انفرادی مسائل کے مقابل انسانی
 معاملات و مشترکہ مسائل کے بہتر مبصر تھے لیکن برجن ہم ایک
 چھوٹے سے دلپذیر فقرہ میں کسی شخص کی اصلی حقیقت کو جس جا
 پاکیزگی اور کمال کے ساتھ وہ بیان کرتے تھے اس سے مجھ
 حیرت ہوتی تھی۔ ایک شخص کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔
 معمولی مٹی سے بھی غیر معمولی سورا بنا دینے کی قدرت انہیں
 حاصل ہے۔ ایک اور صاحب کے بارے میں ان کا قول
 تھا۔ "ان میں اخلاص و صداقت تو موجود ہے لیکن یہ صفت
 اسے کی جلد بازی سے کسی قدر متاثر ہے۔" ایک اور بزرگ

کے متعلق انہوں نے راسے ظاہر کی تھی کہ ”ان میں اصلی جوہر
 اور فرقہ بندیوں کے تمام تعصبات سے وہ آزادی موجود ہے
 جو انہیں ہندو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کے لئے بہترین
 اور موزون ترین وکیل بننے کا حق عطا کرتی ہے۔“ ایک چوتھو
 صاحب کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ ”انہوں نے وہ
 قربانیاں کی ہیں جن سے انہیں اس بات کا حق حاصل ہے۔
 کہ ان کی بات سنی جائے۔“

چار اہم مسائل

منجملہ ان اہم اور ضروری امور کے جو اس وقت ان کے
 خیال و دماغ پر حاوی تھے چار مسائل سے انہیں بے انتہا دلچسپی
 تھی۔ جبری تعلیم کے متعلق ان کی تجویز جسے وہ ساری قومی ترقیات

کی اصلی اور حقیقی بنیاد تصور کرتے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے اتھاکا
 و اتحاد کا مسئلہ جس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ اگر دونوں فرقوں کے بزرگ
 ان چند اہم اور ضروری امور کے متعلق جن کا تعلق دونوں فرقوں سے
 یکساں ہے پوری یکجہتی و مساوات کا بڑا ذکرین تو نہایت حمدگی کے
 ساتھ ایک نتیجہ خیز طریقہ سے اس کا حل ہو سکتا ہے۔ نئی پود کے اعلیٰ
 حقوق و فرایض اور اہم ذمہ داریاں جن میں بمقابل پہلے کے زیادہ جو
 جوش اور مستعدی کی ضرورت ہے۔ اور سب سے زیادہ سروسٹس آف انڈیا
 سوسائٹی (انجمن خدام ہند) کا مستقبل جو حقیقت ہندوستان کو متعلق
 مسٹر گوکھلے کی تمام آرزو۔ توجہ۔ کوشش اور سرگرمی کا منتہا تھا۔
 اس ہواخوری کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ یکا یک مسٹر گوکھلے
 کی حالت ابتر ہو گئی اور انہیں اپنے کمرے سے باہر نکلنے یا

کسی سے ملاقات کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ لیکن میری خوش قسمتی سے ان کے ویچی روانہ ہونے تک چند گھنٹوں کے لئے روزانہ مسٹر گوگلے سے ملنے کی مجھے اجازت مل گئی تھی۔ اپنی انوکھی طرز میں وہ مجھے اپنے علاج کا بہترین نسخہ کہتے تھے۔ میرے ہمیشہ کے سوال کے جواب میں جو میں ان کے کمرے کی چوٹ عبور کرنے کے ساتھ ہی کرتی تھی کہ ”کیا میں آج محسوس ہوں یا مسکن؟“ وہ ہر وقت یہی کہا کرتے تھے کہ ”دونوں“۔ اس ایک لفظ سے ان کے پڑ مردہ دل اور حد سے زیادہ تھکے ہوئے دماغ کی وہ اصلی حالت نہایت عمدگی سے ظاہر ہوتی ہے جو ان تشویشناک ہفتوں میں ہو گئی تھی۔

پہلی مرتبہ ویچی سے واپس ہو کر دوبارہ ویچی جانے تک ان کا تمام وقت تو لیکن ہام کی ایک بالکل چھوٹی سی جھونپڑی میں مسٹر رتن ٹانا اور

ان کی خاتون صاحبہ کے مہمان و ہمسایہ کی حیثیت سے بسر ہوا۔
 ان دونوں میان بیومی کے احسانات ملک پر کچھ کم نہیں ہیں۔
 ان دونوں عارضی اعاقبہ کے طول طویل گھنٹوں کی بد مزگی میں دوست
 احباب کی حضور سے اکثر لطف پیدا ہو جاتا تھا۔ مسٹر گوکھلے کی ملاقات
 کے لئے ان کے احباب کا جانا واقعی حج و زیارت کی شان رکھتا
 تھا۔ ڈاکٹر جیوراج مہتہ کی پراز محبت تیمار داری بھی بہت سکون
 بخشا کرتی تھی۔ ڈاکٹر مہتہ نے تو اس کے بعد بڑی بڑی معزز و متوجہ
 علمی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ مسٹر گوکھلے نے ان کے متعلق
 ایک سے زیادہ مرتبہ کہا تھا۔ ”وہ بہت کچھ ترقی کریں گے اور لوگوں
 کے رہنما و پیشوا بنیں گے۔“

دیوچی سے مسٹر گوکھلے نے کہا تھا ”یہاں اس انتہا درجہ کی

دماغی تہنائی میں زندگی کی حقیقتوں اور صداقتوں کا پتہ میں نے
 لگا لیا ہے۔ مجھے ضرور ہے کہ ان کی ضروریات کے مطابق اپنے
 تئیں درست کروں۔ "اگست میں جنگ کے چہرے جانے سے
 انہیں کسی قدر قبل از وقت انگلستان واپس ہونا پڑا۔ اگرچہ ان کی
 صحت بہ ظاہر درست ہو گئی تھی اور وہ رائل کمیشن کی محنت و مشقت
 کو برداشت کرنے کے قابل ہو گئے تھے لیکن یہ معلوم ہوتا تھا
 کہ ایک مخالف و متضاد تہذیب و تمدن اور اجنبی لوگوں کے درمیان
 گویا جلا وطن ہو جانے کا ایک قومی احساس ان میں پیدا ہو گیا ہے
 انہیں نہ صرف اپنے قدیم مناظر طبعی اور حوالیات ہی کے لئے بلکہ
 اپنے آبائی ملک کی مذہبی کتابوں اور بول چال اور زبان کے ساتھ
 بھی کچھ اس قدر عشق و محبت ہو گئی تھی کہ وہ خود اس کو بیان کرنے

سے قاصر تھے۔ ان دنوں مسٹر گوکھلے کی گفتگو سنکر ت کے
 قدیم مصنفین کے ذکا دکار سے بھری رہتی تھی جن کی قوی لے ان کے
 خون میں موجزن تھی۔

آخری مرتبہ

سب سے آخر مرتبہ جو میں نے انہیں دیکھا وہ میرے ہندوستان
 کے لئے جہاز پر سوار ہونے کے دو روز قبل ۸ اکتوبر کو تھا۔ اس
 وقت وہ کسی قدر افسردہ تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ درختوں سے
 گریے ہوئے پتوں کی موسم خزان کی پڑمردگی اور وہ ترقی کھردہ
 انہیں متاثر کر دیا تھا۔ یا یہ ممکن ہے کہ انہوں نے سر پر کھڑی ہوئی ہو
 کے سایہ کو محسوس کر لیا ہو۔ جب مسٹر گوکھلے نے مجھے خدا حافظ
 کہا تو یہ بھی فرمایا "میں نہیں سمجھتا کہ ہم پھر کبھی ملیں گے۔ اگر آپ زندہ

رہیں تو یاد رکھئے کہ آپ نے اپنی زندگی ملک کی خدمت کے لئے
وقت کر دی ہے۔ میرا کام تو ہو چکا۔“

اوائل دسمبر میں ان کے یورپ سے واپس ہونے کے
چند ہی روز بعد انہوں نے ایک خط میں اپنی قسمت کے ”بتذل
مذاق“ کی شکایت لکھی جو ان کے قدیم مرض کے عود کرنے کی
شکل میں کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد کے خطوط سے ظاہر ہوتا
تھا کہ آفاقہ ہو رہا ہے اور وہ پھر کام کرنے کے قابل ہو رہے
ہیں۔ اپنے سب سے آخری خط میں جو انہوں نے اپنے مرض
الموت کے ایک روز قبل لکھا تھا اپنی صحت کے ایک حالت پر
قائم ہو جانے اور اپنے دہلی جانے کے قصد کا ذکر کیا تھا۔ لیکن
قصد و قدر کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔ بقول شاعر کے ”جس طرح شفتالو

اپنی پختگی کی لذت کا پابند ہے اسی طرح انجام بھی اپنے وقت کا پابند ہے۔ ان کی رخصت کا گھنٹہ بچ چکا تھا۔ فروری کی ۱۹ تاریخ

کو انہیں تارون نے جن کو دو سال قبل وہ ہندوستان کی خدمت کے لئے ایک حیات کے وقت ہونے پر گواہ بنا چکے تھے قومی صداقت

کے اس بہادر سورما اور زبردست ولی کی رحلت کا شب بیداری

کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ ایک دوسری سرزمین اور ایک دوسرے

زمانہ میں لیکن ضرور انہیں کے لئے یہ الہامی الفاظ کہے گئے

مکت خانہ
کلیدِ حمانہ عثمانیہ

تھے کہ:-

”ایک انسان نے اپنے دو سون کے لئے اپنی جان دیدی“

”کسی انسان میں اس سے بڑھ کر محبت نہیں دیکھی گئی“

۵۔ مارچ ۱۹۱۵ء

